مولانا محمد وارث مظہری*

شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت واہمیت

شیعہ سنی اختلاف بنیادی طور پر مسلمانوں کی داخلی سیاسی کش مکش کی پیداوار ہے، لیکن بعد میں اس اختلاف نے جو شکل اختیار کی، اسے اب دونوں فریقوں کی نظر میں محض فروعات دین میں اختلاف سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، تاہم اسے کفر وایمان کا اختلاف قرار دینا بھی کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اس اختلاف کو کم یا ختم کرنے کی جو سنجیدہ کوششیں ماضی میں ہونی چاہیے تھیں، وہ بد قسمتی سے نہیں ہو سکیں۔ اب یہ اختلاف اتنی سنگین کشمکش کی شکل اختیار کر چکا ہے کہ اس کی زد میں آ کر نہ جانے کتنی ہی جانیں ضائع اور نہ جانے کتنے ہی مال واسباب تباہ ہو چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں فرقوں کے شدت پسند حلقے اس اختلاف کو کفر واسلام کے تناظر میں دیکھنے اور پیش کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور اس طرح دونوں فرقوں کے درمیان خلیج مزید بڑھتی رہی ہے۔ دونوں فرقوں یا اس کے بعض طبقات کے اندر ایک دوسرے کے تعلق سے انتہا پسندانہ نظریات پائے جاتے ہیں۔ شیعہ کی کتابوں میں یہ نظریہ پایا جاتا ہے کہ جب حضرت امام مہدی ظاہر ہوں گے تو وہ سنیوں کو قتل کریں گے۔ سنیوں کے یہاں یہ حدیث پیدا کر لی گئی ہے کہ: ”اخیر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جو رافضی کہلائیں گے۔ اسلام کے منکر ہوں گے، لیکن اس کا لفظی اقرار کریں گے تو تم ان کو قتل کر دو، اس لیے کہ وہ مشرکین ہیں“۔ (یکون قوم فی آخر الزمان یسمون الرافضة یرفضون الاسلام و یلفظو نه فاقتلوهم فانهم مشر کون) (1) شاید اسی گھڑی روایت کی بنا پر پاکستان میں بعض انتہا پسندوں نے شیعوں کو مباح الدم قرار دے رکھا ہے۔

کسی بھی جماعت یا قوم میں دوسری جماعت کے خلاف جو ڈھلی ڈھلائی سوچ (stereotypes) بن جاتی ہے، اس کو ختم کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کوئی بھی فریق اپنے نظریاتی خول سے باہر آ کر دوسرے فریق کو خود اپنے طور پر سمجھنے اور برتنے کی کوشش نہیں کرتا۔ موجودہ دور میں دونوں فرقوں میں سے باشعور اور حساس لوگوں پر مشتمل ایک طبقہ شیعہ سنی مکالمے کو فروغ دینے کا خواہش مند اور اس کے لیے کوشاں ہے، لیکن اعتراف کی بات یہ ہے کہ اس تعلق سے جتنی دلچسپی شیعہ علما اور اہل حل وعقد کے یہاں پائی جاتی ہے، اتنی دلچسپی سنی علما واہل فکر کے یہاں نہیں پائی جاتی۔ تہران میں اس کے لیے حکومت کی سرپرستی میں باضابطہ ایک ادارہ ”المجمع العالمی للتقریب بین المذاہب الاسلامیة“ قائم ہے جس سے اسی مقصد کے پیش نظر ”رسالة التقریب“ نامی عربی جرنل شائع ہوتا ہے۔ سنی علما اور دانش وروں کی بڑی تعداد شیعہ سنت

*مدیر ماہنامہ ”ترجمان دار العلوم“، دہلی۔ w.mazhari@gmail.com

مفاہمت کے لیےاس کی طرف سے منعقد کیے جانے والے پروگراموں میں شریک ہوتی رہی ہے۔

فرقہ وارانہ مفاہمت کے لیے سب اہم طریقہ مکالمے کا طریقہ ہے۔مکالمہ متفق علیہ امور میں تعاون اور مختلف فیہ امور میں گفت وشنید کے نکات کی تلاش کا نام ہے، اس لیے وہ ہر انسانی گروہ کی ضرورت ہے۔ چوں کہ شیعہ سنی مفاہمت مسلمانوں کے لیے اپنے داخلی حصار کو مضبوط کرنے کی ایک بہت ہی اہم کوشش ہے، اسی لیے وہ زیادہ حساس بھی ہے۔ اس کی حساسیت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ دونوں فرقوں کا یہ اختلاف صدیوں پر پھیلا ہوا ہے۔ ان اختلافات کو حل کرنے سے متعلق ماضی میں گفت وشنید کی سنجیدہ کوششیں بہت کم ہوسکیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ہم اپنے جسم کے ایک بڑے اور ضروری عضو کو جسم سے کاٹ کر علاحدہ تو کر سکتے ہیں لیکن پرسکون نہیں رہ سکتے۔ یہ فطرت کے خلاف ہے۔ فطرت دشمنوں کو بھی دوست بنانے کی ترغیب دیتی ہے۔ اسی لیے قرآن میں اس کی تاکید کی گئی ہے(2)۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ موجودہ سیاسی صورت حال میں شیعہ سنی مفاہمت بہت سے سیاسی مسائل کے حل کی کلید بن سکتی ہے۔ یہ دونوں فرقے ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اور ان کا باہمی تعاون اجتماعی قوت واتحاد کے ایسے دروازوں کو کھول سکتا ہے جو اب تک تاریخ میں بند رہے ہیں۔

شیعہ سنی مفاہمت کے عمل کو ایک دینی وملی ضرورت کے طور پر آگے بڑھانا وقت کا تقاضا ہے جس کا مقصد تصحیح فکر ونظر کے ساتھ اسلامک اکیُومنزم کو زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز بنانا ہے۔ دونوں فرقوں کے درمیان مکالمے کے لیے سب سے پہلے اس بات پر اتفاق ضروری ہے کہ شیعہ سنی اختلاف کا تعلق بنیادی عقائد اور ایسے اساسات دین سے نہیں ہے جو کفر وایمان کی بنیاد ہیں۔ اس تعلق سے اہم بات جس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، یہ ہے کہ شیعوں کے مختلف طبقات اور گروہ ہیں۔ ان کے درمیان بہت سے بنیادی نظریات میں باہم ختلاف پایا جاتا ہے۔ شیعوں کی باضابطہ الگ الگ شاخوں کے علاوہ خود اثنا عشری فرقہ مختلف طبقات میں بٹا ہوا ہے۔ اس لیے کوئی ایک شرعی حکم تمام شیعوں پر لگانا انصاف کے تقاضے کے مطابق نہیں ہے۔ بہت سے ثقہ علما کا نطقہ نظر یہی ہے کہ عمومی طور پر شیعوں پر کفر کا حکم لگانے کی بجائے یہ معیار بنایا جائے کہ جو لوگ اس طرح کے عقائد رکھتے ہوں، وہ کافر ہیں۔ اس میں غالی شیعہ خود شامل ہوجائیں گے۔ خاص طور پر جو شیعہ قرآن میں تحریف کے شدت کے ساتھ منکر ہیں، ان کی تکفیر صحیح نہیں ہے۔

شیعہ اور سنی دونوں ہی قرآن کے اس حکم کے مخاطب ہیں کہ: ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو'' (4)۔ قرآن کے مطابق آپسی تنازع اور اختلاف کو امت کی قوت واثر کے زائل ہونے کا سبب بتایا گیا ہے۔(3) اس پر عمل نہ کرنے کے نتیجے میں امت کی جو صورت حال ہے وہ سب پر ظاہر ہے۔ ایک مضبوط حکمت عملی کے تحت نواستعماری مغربی طاقتیں شیعہ سنی اتحاد کو عملی شکل میں ڈھلتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتیں۔ حالیہ عرصے میں غیر مسلموں: عیسائی، ہندو وغیرہ کے ساتھ مکالمے کا غلغلہ پایا جاتا ہے اور اسلامی اور مغربی ملکوں میں اس پر کانفرنسیں اور سیمینار منعقد ہو رہے ہیں۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ خود داخلی سطح پر اس نوع کی کوشش وعمل کی ہمارے اندر شدید کمی پائی جاتی رہی ہے۔ برصغیر میں پہلے شیعہ سنی اختلاف نے اور بعد میں دیوبندی۔ بریلوی اور اہل حدیث واہل تقلید کے اختلاف نے مسلم اجتماعیت کو شدید نقصان پہنچایا۔ دیوبندی بریلوی مفاہمت پر میرے خیال میں اب تک باضابطہ طور پر

صرف حلقہ دیو بند کے مشہور عالم مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ نے قلم اٹھایا ہے۔اس موضوع پر اپنا کتابچہ انہوں نے راقم الحروف کو بھی بھجوایا تھا،لیکن کسی نے اس کوشش اور فکر کو آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔اب یہ اطلاع خوش آیند ہے کہ حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب بھی دیو بندی بریلوی اختلاف وکش مکش کو ختم یا کم کرنے کے تعلق سے نہایت مثبت ذہن رکھتے ہیں۔اس وقت امت کی سب سے اہم ضرورت نظم اجتماعی کا استحکام ہے اور اس کے لیے بین مسلکی مکالمے کی ہر سطح پر ضرورت ہے۔مکالمے کے علاوہ دوسرا انتخاب،ذاتی مطالعہ اور ذاتی غور وفکر ایک یک طرفہ عمل ہے جس کا نتیجہ محدود اور وقتی ہوتا ہے۔

اس مفاہمت کے عمل میں سب سے بنیادی رول شیعہ سنی دونوں فرقوں کے علما اور ارباب فکر کا ہے،کیوں کہ عوام کی فکری قیادت انھی کے ہاتھوں میں ہے۔لیکن دانش وروں کے اہل فکر طبقے کے اشتراک وتعاون کے بغیر یہ نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا۔اس کے لیے چند امور بنیادی اہمیت رکھتے ہیں جن کو اس تعلق سے عمل میں لانا ضروری ہے:

حسن ظن:

دوفریقوں کے درمیان نتیجہ خیز مکالمے کے لیے سب سے اہم چیز حسن ظن اور **الدین النصیحة** کے تحت خیر خواہی کا جذبہ ہے۔قرآن میں بدگمانی کی مذمت کی گئی ہے۔(5) حدیث کے مطابق بدگمانی سے بچنا چاہیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔(ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث) (6) مسلکی کش مکش میں سب سے زیادہ دخل اس بدگمانی کو ہے جو باہمی طور پر دوری بنائے رکھنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش نہ کرنے کی وجہ سے عوام تو عوام،خواص کے بھی ذہنوں میں بھی راسخ ہو چکی ہے۔عوامی سطح پر ایک دوسرے کے تعلق سے نہایت بے بنیاد باتیں پھیلی ہوئی ہیں۔حسن ظن کے ساتھ یہ علمی اور دینی تقاضا ہے کہ اس کی حقیقت خود متعلقہ فریق کی کتابوں یا علما سے معلوم کی جائے۔دونوں فرقوں کے تعلق سے پائے جانے والے اسٹیریوٹائپس کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔ شیعوں کے تعلق سے بدگمانی کی ایک اہم وجہ ان کا تقیہ سے متعلق نظریہ ہے۔اس میں شک نہیں کہ اس سے متعلق جو نظریات اپنی تفصیلی شکل میں ان کی کتابوں میں موجود ہیں،وہ انتہا پسندی پر مبنی ہیں اور ان پر عمل کرنے کی صورت میں تقیے اور نفاق میں بظاہر کم ہی فرق رہ جاتا ہے۔لیکن اہل سنت میں بڑے پیمانے پر یہ رائج تصور کہ شیعہ سنیوں کے ساتھ ہر یا اکثر انفرادی واجتماعی امور ومعاملات میں تقیہ کرتے ہیں،صحیح نہیں ہے۔سماجی زندگی میں یہ سرے سے قابل عمل نہیں ہے۔تاہم یہ صحیح ہے کہ غالباً تقیے کی ہی بنا پر اہل تشیع کے یہاں فکر وعمل کا تضاد پایا جاتا ہے۔

سماجی سطح پر اشتراک عمل:

اس تعلق سے سب سے اہم کام یہ ہے کہ دونوں مکاتب فکر کے لوگوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ اشتراک عمل وجود میں آئے۔اشتراک عمل سے اشتراک فکر کی بھی راہیں ہموار ہوں گی۔سنی حلقے کی طرف سے جو بھی سیاسی وسماجی پروگرام منعقد ہوں،ان میں شیعہ اہل علم وفکر کی شرکت کو یقینی بنایا جائے۔اسی طرح شیعہ حضرات سنیوں کو اپنے اجتماعی کاموں میں شریک کریں۔اپنے اداروں کی رکنیت دیں۔ہندوستان میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی مثال اس تعلق سے

نمایاں ہے کہ عرصۂ دراز سے اس کے نائب صدر مشہور شیعہ عالم مولانا کلب صادق ہیں۔ مسلم پرسنل لا بورڈ ہندوستان میں اہم اجتماعی ادارہ ہے جس کے صدور میں قاری محمد طیبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اور مولانا رابع حسنی ندوی (موجودہ) جیسے مستند اور ثقہ علما کا نام آتا ہے۔ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت میں بھی شیعہ علما شریک رہے ہیں۔ ہندوستان میں یہ بحث سرے سے کبھی پیدا نہیں ہوئی کہ شیعوں کو مسلمانوں کی ملی واجتماعی سرگرمیوں میں شریک کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ موجودہ صورت حال میں اہل فکر شیعہ علما سنی فضلا اور ارباب علم ہنر کو اپنے اداروں سے جوڑنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ راقم الحروف کے شناسا کئی دیوبندی فضلا، دہلی کے سفینۃ الہدایہ ٹرسٹ اور جامعہ اہل بیت سے وابستہ ہیں۔ میرے خیال میں یہ اہل تشیع کی طرف سے یہ ایک مثبت پہل ہے جس کے جواب میں ہمیں بھی اپنے اداروں میں شیعوں کو جگہ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن یہاں اس سیاق میں ایرانی حکومت کے اس رویے کی کوئی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ایران میں سنیوں کو تقریباً حاشیہ پر رکھا گیا ہے۔ تہران میں تقریباً دس لاکھ سنی ہیں، لیکن سنیوں کو وہاں مسجد بنانے کی اجازت نہیں۔ اس کے برعکس مثال کے طور پر سعودی عرب میں نہ صرف ان کی مساجد ہیں بلکہ، مجھے دو اہم شیعہ علما نے بتایا کہ مدینہ میں بھی انہیں مسجد بنانے کی اجازت مل گئی ہے۔ اس طرح کا امتیاز شیعہ سنی مفاہمت وتقارب میں زبردست رکاوٹ ہے۔

بہر حال دونوں فرقوں کے درمیان سماجی سطح پر دوریوں کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ عراق میں اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان ازدواجی رشتے کا تعلق تقریباً 30/% فی صد ہے۔ (8) ہمارے یہاں یہ مشکل ایک فی صد ہوگا۔ اہل سنت کے وسیع النظر علما کی نظر میں یہ صحیح اور جائز ہے۔ شیخ یوسف قرضاوی انھی میں سے ایک ہیں، لیکن ہمارے اکثر علما اس جواز کے قائل نظر نہیں آتے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اہل کتاب کی عورتوں سے شادی جائز ہے تو یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ شیعوں کے ساتھ اسے ناجائز قرار دیا جائے۔ ایک دوسرے کے پروگراموں، شادی وغم کی تقریبات، ایک دوسرے کی مسجدوں میں نماز کی ادائیگی، اجتماعی افطار، اس نوع کی دوسری سرگرمیاں دونوں فرقوں کے درمیان مفاہمت کے عمل کو تیز کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

اشتعال انگیز باتوں سے احتراز:

دونوں فرقوں کو اشتعال انگیز باتوں سے آخری حد تک پرہیز کرنا لازمی ہے۔ ہندوستان میں لکھنؤ میں اور پاکستان کے مختلف شہروں میں شیعہ سنی کشیدگی میں اس بات کا بہت دخل رہا ہے کہ دونوں فریق اپنے نظریات پر سنجیدہ علمی ماحول میں غور وخوض کے بجائے انھیں عوامی سطح پر سڑکوں پر حل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اشتہارات اور جلسے جلوس جذبات کو اور بھڑکاتے ہیں۔ اسی روش نے پاکستان کو مسلکی کش مکش کا جہنم زار بنادیا ہے۔ اختلاف کرنے والے ہر دو فریقوں میں ایک حلقہ انتہا پسندوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ارباب حل وعقد کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس حلقے کی ہر سطح پر حوصلہ شکنی کرے۔ سماجی سطح پر اس کو الگ تھلگ کرنے کی کوشش کرے۔ اجتماعی عہدوں سے اس کو دور رکھے، نئی نسل کو اس سے خبردار وہوشیار کرے۔ اسی حلقے کو اسلام دشمن اور سماج دشمن عناصر استعمال کرکے اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔

ایک نہایت اہم بات یہ ہے کہ دونوں فریقوں کو اس ذہنیت سے نکلنا ضروری ہے کہ فریق مخالف جب تک اپنے فلاں مخصوص نظریات سے دست بردار نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے ساتھ مکالمہ اور تعلق سازی کی کوشش نہیں کی جا سکتی۔ حقیقت یہ کہ اس شرط کے ساتھ کبھی کوئی مکالمہ عمل میں آ ہی نہیں سکتا۔

ایک دوسرے کو اصل ماخذ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش:

شیعہ سنی مفاہمت کے لیے ایک دوسرے کو اس کے اصل ماخذ سے سمجھنا ایک اہم اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ دونوں فریقوں کے پاس اختلافی لٹریچر کا تقریباً ہزار سال سے زیادہ عرصے پر مشتمل ذخیرہ موجود ہے۔ جس میں دونوں فریقوں کے یہاں بڑی مقدار میں رطب و یابس جمع ہو گئی ہیں۔ ان سے دامن بچاتے ہوئے بنیادی ماخذ تک رسائی اور اس کی روشنی میں اپنے اختلافات کا تجزیہ ایک دشوار گذار عمل ضرور ہے لیکن ناگزیر ہے۔ اصل مسئلہ علمی حلقوں کی سہل پسندی اور اخلاص کی کمی کا ہے۔ جو علما ذوق علم سے بہرہ ور ہیں وہ خاموش اور ان معاملات سے کنارہ کش ہیں اور کم علم و نام نہاد علما و اہل دانش اختلاف کی خلیج کے مزید وسیع کرنے کو علم کی معراج اور افتراق امت کے کام کو عبادت سمجھ کر اس میں جوش اور خشوع وخضوع کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

جہاں تک راقم الحروف کو علم ہے، ازہر کے تدریس فقہ کے نصاب میں فقہ جعفری اور فقہ زیدی و اباضی بھی شامل ہے۔ علی گڑھ میں سنی تھیولوجی کے ساتھ شیعہ تھیولوجی کا قیام بھی اہم اور نہایت بامعنی اقدام تھا، لیکن اس کے طرز پر ہندو پاک کی دینی درس گاہوں میں کوئی پہل سامنے نہیں آئی۔ نہ شیعہ سنیوں کے مدارس کا رخ کر سکتے ہیں اور نہ سنی شیعوں کے مدارس کا۔ اب اس تعلق سے پیش رفت کی ضرورت ہے۔ پاکستان کے تعلق سے یہ توقع کم ہے، ہندوستان کی اگر کوئی قابل ذکر دینی درس گاہ اس بارے میں پہل کرے تو بلاشبہ یہ ایک تاریخی اور دوررس اثرات کا حامل قدم ہوگا۔ فقہ جعفری کی ایک خصوصیت (اپنی بہت سی افراط وتفریط کے ساتھ) یہ ہے کہ اس میں اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا رکھا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اس باب میں اس میں سنی مکتب فکر کے مقابلے میں حرکیت اور لچک زیادہ ہے اور اس کے عملی مظاہر ایران میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ (اگرچہ ایک خاص دائرے تک ہی، کیوں کہ بہر حال راقم الحروف کو اس بات پر ہمیشہ حیرت رہی کہ آخر اجتہاد کے دروازے کے 'چوپٹ کھلے' رکھے جانے کے باوجود آج تک بہت سی قبیح اور غیر اخلاقی وغیر فطری رسموں مثلاً: متعہ، رسول اللہ کی تصویر کشی جس کا ایران میں بکثرت رواج ہے، پر بھی شیعہ مجتہدین کی طرف سے پابندی کیوں عائد نہیں کی جا سکی؟) اسی طرح روایات واحادیث کے باب میں اگر شیعہ حضرات یہ اصولی لچک پیدا کرنے پر آمادہ ہوں کہ عقلی طور پر روایات کے قبول وعدم قبول کا مدار جیسا کہ سنیوں کے یہاں ہے، راوی کا معتمد و غیر معتمد ہونا، ہونا چاہیے نہ کہ محض اہل بیت سے انتساب، تو وہ سنیوں کے زیادہ محفوظ، مستند اور بڑے ذخیرہ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

شیعہ سنی مفاہمت میں ایک بڑی رکاوٹ صحابۂ کرام اور بعض ازواج مطہرات کے تعلق سے شیعوں میں پائی جانے والی بدظنی، غلط نظریات اور ان کا افسوس ناک سطح پر زبانی اظہار واصرار ہے۔ شیعوں کے ایک طبقے نے اس کو ایک بڑے کار ثواب کے طور پر اختیار کر رکھا ہے۔ شیعہ مجتہدین اور حکومت کے تعاون سے قائم قم (ایران) کے بعض اداروں کی

طرف سے نہایت افسوس ناک کتابیں اصحاب رسول واز واج مطہرات کی معاندت میں لکھی گئی ہیں۔مثلاً ایک کتاب ''تین سوجعلی صحابہ'' ہے جو مجمع جہانی اہل بیت،قم سے اردو سمیت کئی زبانوں میں شائع کی گئی ہے۔بظاہر اس کا مقصد اسی شیعوں کے مشہور عام نظریے کو تقویت دینا ہے کہ صحابہ کی بہت بڑی تعداد نعوذ باللہ منافقین پر مشتمل تھی۔جب کسی فریق کی مقدس شخصیات کو اس طرح ہدف تشنیع بنایا جانے لگے تو اس کے جذبات کا برانگیختہ ہونا لازمی ہو جاتا ہے اور اس طرح سارا معاملہ افراط وتفریط کا شکار ہو جاتا ہے۔کچھ سال قبل ایک بڑے شیعہ اجتماع میں جس میں خیر سگالی کے جذبے سے سنیوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا،ایک ذمہ دار شیعہ مقرر نے اپنے اس نہایت بے بنیاد اور افسوس ناک نظریے کو دہرایا کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد تین چار صحابہؓ کے علاوہ باقی سارے صحابہ نعوذ باللہ مرتد ہو گئے تھے۔ہمارے ایک فاضل دیوبند دوست نے وہیں کھڑے ہو کر احتجاج کیا کہ کیا یہی سننے کے لیے ہمیں یہاں بلایا گیا تھا۔راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ شیعوں کا ایک طبقہ شیعہ سنی مفاہمت کا حامی ہونے کے باوجود تبرا اور سبّ صحابہ کو اپنا مسلک بنائے ہوئے ہے۔حقیقت یہ ہے کہ کم از کم اس سے طبقے سے کسی قیمت پر مصالحت نہیں ہو سکتی۔

اکتوبر 2009 میں دوشنبے (تاجکستان) میں ملک کے صدر کی طرف سے امام ابوحنیفہؒ پر ہونے والی عالمی کانفرنس میں (جس میں راقم الحروف بھی شریک تھا) بعض اہل تشیع کی ایسی ہی کسی حرکت پر شیخ ازہر،شیخ طنطاویؒ نے انتہائی خفگی کے عالم میں اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا تھا۔شیعہ سنی قربت ومفاہمت میں جو چیز سب سے بڑی دیوار بن کر حائل ہے،وہ بلاشبہ یہی سب وشتم صحابہ کا مسئلہ ہے۔اس تعلق سے شیعوں کے مراجع تقلید علما اور مجتہدین،ایرانی حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تحریری یا زبانی سطح پر پائے جانے والے اس مظہر پر پابندی لگائے۔قم میں مختلف دیواروں پر اللھم العن قاتلی فاطمة (فاطمہؓ کے قاتلین پر اللہ کی لعنت ہو) لکھا ہوا ہے۔حضرت ابوبکر وعمرؓ کو اہل تشیع حضرت فاطمہؓ کا قاتل تصور کرتے ہیں۔میرا خیال ہے کہ جس طرح اہل تشیع کے یہاں اب قرآن کے محفوظ اور غیر محرف ہونے پر تقریباً اجماع ہو چکا ہے اور اس حوالے سے جو درجنوں روایات شیعہ کی اہم اور مستند کتابوں میں پائی جاتی تھیں،ان کے بارے میں اس پر اتفاق کر لیا گیا کہ وہ سب غلط اور موضوع ہیں،اسی طرح شیعہ مجتہدین کو اپنے اثر ورسوخ کو کام میں لاتے ہوئے خاص طور پر خلفاے ثلاثہ (حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور حضرت عائشہؓ اور عمومی سطح پر تمام صحابہ کرامؓ سے متعلق عوام وخواص کے ذہن کو تبدیل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جنھیں یہ بتایا گیا ہے کہ نعوذ باللہ صحابہ کرامؓ کی اکثریت (مختلف شیعی روایات کے مطابق،تین چار صحابہؓ کے علاوہ تمام کی تمام) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئی تھی اور خلفاے ثلاثہ نعوذ باللہ غاصب ومنافق تھے۔بصورت دیگر تقریب اور مکالمے کی کوششیں بے سود ثابت ہوں گی۔اسی طرح اہل سنت کے ان علما کو اور جماعتوں کو جو شیعوں خاص طور عمومی سطح پر تمام اثنا عشریوں کی تکفیر کرتے ہیں،اس سے باز آنا چاہیے۔اس نظریاتی تبدیلی کے بغیر شیعہ سنی اتحاد مشکل نظر آتا ہے۔اسی طرح پچھلے دنوں ایک سلفی اسکالر اور مناظر کی طرف سے،جو پیس ٹی وی کے ذریعہ اہم خدمات انجام دے رہے ہیں،یزید کی شخصیت کو اہمیت دینے کے حوالے سے جو تنازع پیدا ہوا وہ سراسر مسلکی امن وآشتی کی فضا کو غارت کر دینے والا ہے۔اہل سنت کی طرف سے ایسے لاحاصل موضوعات پر زبان کھولنے یا قلم اٹھانے سے احتراز کیا جانا ہی عین اسلامی مصلحت ہے۔

بہر حال شیعہ سنی مفاہمت وقت کا ایک اہم تقاضا ہے۔ ہمیں آگے بڑھ کر ایسی کوششوں کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔ مشہور سنی داعی اسلام شیخ احمد دیدات مرحوم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ: کیا 90% فی صد سنی 10% فی صد شیعوں سے خوف زدہ ہیں کہ وہ ان سے قریب ہونے کی کوشش نہیں کرتے؟ (9) میرے خیال میں یہ سوال اہم ہے۔ اہل سنت ہر طرح سے اہل تشیع پر اثر انداز ہونے کی قوت رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کے یہاں اس تعلق سے غیر ضروری حساسیت اور بے جا تحفظ کی نفسیات پائی جاتی ہے۔

2008 میں لکھنؤ میں شیعہ وسنی حضرات نے ایک ساتھ مل کر نماز عید ادا کی۔ یہ ایک نہایت خوش آیند واقعہ تھا جسے دونوں فرقوں کی دو باوقار شخصیات مولانا کلب صادق اور مولانا خالد رشید فرنگی محلی کا کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ کہ صرف رسول اللہ کی اس حدیث کو بھی قابل ذکر انداز میں عمل میں لایا جانے لگے تو صورت حال میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے کہ ''ہر نیک وبد کے پیچھے اور ہر نیک وبد پر نماز پڑھو اور ہر نیک وبد کے ساتھ جہاد کرو'' (صلوا خلف کل بر و فاجرو صلوا علی کل بر وفاجر وجاهدو ا مع کل بر و فاجر) (8)

بہر حال شیعہ سنی اتحاد اور مفاہمت وقت کا ایک اہم تقاضا ہے۔ ضرورت ہے کہ علما اور اہل فکر اس کی طرف متوجہ ہوں، لیکن میں پوری غیر جانب داری کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ مفاہمت کے تعلق سے بنیادی طور پر شیعوں کو ہی اپنے بہت سے روایتی نظریات اور طرز عمل پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر مفاہمت کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔

مکالمے اور مفاہمت کی کوششوں کے لیے ہندوستان کی سرزمین خاص طور پر نہایت سازگار ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس رخ پر مناسب انداز میں قدم آگے بڑھانے کی کوشش کی جائے۔

حواشی:

(1) مسائل الجاهلية التی خالف فیها رسول اللهﷺ اهل الجاهلية ص: 67-المكتبة السلفية ومكتبتها، قاہرہ-1397 سرورق کی عبارت ہے: الف اصلها الامام شیخ الاسلام محمد ابن عبد الوهاب وتوسع فیها علی هذ الوضع علامة العراق السید محمود شکری آلوسی۔ غالب گمان یہی ہے کہ یہ اضافہ ثانی الذکر کی طرف سے کیا گیا ہوگا)۔

(1) فصلت: 34

(2) آل عمران: 103

(3) الانفال: 46

(4) الحجرات: 12

(5) متفق علیہ

http://soundvision.com/info/muslims/shiasunni.asp(6)

http://www.islamawareness.net/Deviant/Shia/iran.html(7)

(8) بیہقی ودارقطنی عن ابی ہریرۃؓ